مولانا آزاد اور وحدتِ دین کا تصوّر

مولانا اخلاق حسین قاسمی

مولانا آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کا پہلا جزء تفسیر فاتحہ قرآنی معارف و لطائف پر بیش قیمت ذخیرہ پیش کرتا ہے۔

اس حصہ کی اشاعت پر مولانا کے سیاسی مخالفین میں ہلچل مچ گئی تھی اور مولانا کے علمی اور دینی مقام کو گرانے کی کوششیں شروع کردی گئی تھیں، چنانچہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر پر منجملہ اعتراضات کے ایک بڑا اعتراض یہ کیا جاتا تھا کہ:

مولانا آزاد نے دنیا کے تمام مذاہب کو ایک سطح پر رکھ کر اسلام کی منفرد صداقت کے عقیدہ کو ختم کردیا اور قرآن مجید سے برہمو سماج اور گاندھی جی کے نظریہ کی تائید پیش کردی۔

مولانا آزاد کی یہ تفسیر اس دور میں سامنے آئی جب سیاسی اختلافات کے لئے اسلام کو استعمال کیا جارہا تھا اور ہندو مسلمان، دونوں قوموں کو عقیدہ اور معاشرت کے ایک ایک جزء میں ایک دوسرے سے الگ ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش

کی جارہی تھی۔

مولانا آزاد تفریق و علٰحدگی کے اس سیاسی نظریہ کو کنڈم کر رہے تھے اس لیے جب سورۂ فاتحہ میں مولانا نے وحدتِ دین کے تصور کی تشریح کی تو علٰحدگی پسندوں میں کہرام مچ گیا اور مولانا کی تفسیر کے خلاف سیاسی اور مذہبی فتوے لگائے جانے لگے۔ حالانکہ مولانا آزاد اصولِ دین ـــ توحید، نبوت، آخرت اور نیک عملی ـــ میں وحدت کا تصور پیش کرنے والے پہلے مصنف نہیں تھے۔

مولانا آزاد نے سورۂ فاتحہ میں اھدنا الصراط المستقیم ـــ کی تشریح کے تحت وحدتِ دین کے مشہور مسئلہ کو بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کیا۔

مولانا آزاد نے ولی اللٰہی فکر کے ترجمان و شارح ہیں۔ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ جلد اول صفحہ ۸۶ میں یہ عنوان قائم کیا ـــ باب بیان ان الاصل الدین واحد والشرائع والمناھج مختلفۃ ـــ اس امر کا بیان کہ اصل دین ایک ہے اور شریعتیں اور راستے مختلف ہیں ـــ اور اس باب میں قرآن کی چار آیتوں سے استدلال کیا۔

الشوریٰ ۱۳، المومنون ۵۳، المائدہ ۴۸، الحج ۶۷ ـــ اور یہ بحث بڑی جامعیت کے ساتھ ایک صفحہ پر ختم کر دی، جبکہ مولانا آزاد نے ۱۲ صفحات پر ۲۲ قرآنی آیتوں سے استدلال کر کے وحدتِ دین کے ولی اللٰہی تصور کو مکمل اور منظم صورت میں پیش کیا۔

شاہ ولی اللہؒ کے بعد شاہ صاحب کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر صاحب نے جو علمی دنیا میں امام التفسیر کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں اور جنھیں فہم قرآن کی الہامی بصیرت کا حامل تسلیم کیا جاتا ہے، اپنے تفسیری فوائد (موضح قرآن) میں مختلف آیات کے تحت اس بنیادی تصور کی وضاحت کی۔

سورۃ البقرہ آیت ۲۱۳ پر تفسیری فائدہ یہ لکھا:
یعنی اللہ نے کتابیں اور نبی متعدد بھیجے اس واسطے نہیں کہ ہر فرقہ کو جدا راہ فرمائے۔ اللہ کے ہاں سب خلق کو ایک ہی راہ کا حکم ہے، جس وقت اس راہ سے کسی طرف بچلے ہیں اللہ نے نبی بھیجا کہ سمجھا دے اور کتاب بھیجی کہ اس پر چلے جاویں، پھر کتاب والے کتاب میں بچلے تب دوسری کتاب کی حاجت ہوئی۔ سب نبی اور سب کتابیں اسی ایک راہ کے قائم کرنے کو آئے ہیں —— اس کی مثال جیسے تندرستی ایک ہے اور مرض بے شمار۔ جب ایک مرض پیدا ہوا ایک دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا۔ جب دوسرا مرض پیدا ہوا دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا۔ اب آخری کتاب میں ایسی راہ فرمائی کہ ہر مرض سے بچاؤ ہے۔ یہ سب کے بدلے کفایت ہوئی۔

سورۂ شوریٰ آیت ۱۳ کے فائدہ میں لکھا:
اصل دین ہمیشہ ایک ہے۔ اس کو قائم کرنے کے طریقے ہر وقت میں جدا ٹھہرائے ہیں اللہ نے۔

سورۃ الحج آیت ۶۷ کے فائدہ میں لکھا:
یعنی اصل دین ہمیشہ سے ایک ہے اور احکام ہر دین میں جدا آتے ہیں۔

سورۃ الروم آیت ۳۰ کے فائدہ میں لکھا:
یعنی اللہ سب کا حاکم، مالک، سب سے نرالا، کوئی اس کے برابر نہیں۔ کسی کا اس پر زور نہیں —— یہ باتیں سب جانتے ہیں، اس پر چلنا چاہیے۔
ایسے ہی کسی کی جان مال کو ستانا، ناموس میں عیب لگانا، ہر کوئی برا جانتا ہے۔
ایسے ہی اللہ کو یاد کرنا، غریب پر ترس کھانا، حق پورا دینا، دغا نہ کرنا،

ہر کوئی اچھا جانتا ہے۔ اس پر چلنا وہی دین سچا ہے۔

ان چیزوں کا بندوبست پیغمبروں کی زبان سے اللہ نے سکھلایا۔

شرع اور منہاج کے قرآنی الفاظ کی تعبیر شاہ ولی اللہؒ نے صور صالحہ الاعمال (نیک اعمال کی صورتیں) کے الفاظ سے کی ہے، شاہ عبدالقادر صاحب نے احکام کا لفظ لکھا ہے اور مولانا آزاد نے رسوم و ظواہر کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

وحدت دین کے تصور پر سرسیدؒ نے شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق کو دوہرایا۔ (حیات جاوید ۳۳۳) مولانا آزادؒ کے رفیق مولانا سید سلیمان ندویؒ نے سیرت النبی جلد چہارم (صفحہ ۵۹۵) پر اس تصور کی وضاحت کی اور پاکستان سے شائع ہونے والے ایک کتابچہ "رسولِ وحدت" میں سید صاحب نے اس مسئلہ کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی اور لکھا:

> "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب وعجم، شام و ہند، پورب پچھم، اتر دکھن کی تخصیص کو دور کرتے ہوئے بتایا کہ ہر ایک ملک و قوم میں خدا کا نور دیکھا گیا اور اس کی آواز سنی گئی اس لئے بلا تفریق و امتیاز دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں خدا کا رسول صادق اور راست باز تسلیم کرنا چاہیئے۔"

سید صاحب نے اس تقریر میں تین اصولی عقائد پر روشنی ڈالی ہے،

۱) وحدتِ الٰہ، خدا کی توحید (۲) وحدتِ رسالت، ہر قوم میں رسول آئے،

۳) وحدتِ کتاب، ہر قوم میں آسمانی ہدایت آئی ——— وحدتِ کتاب کے عنوان میں لکھتے ہیں:

اس عنوان سے وحدتِ ادیان کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے جو اسلام کی وسیع اور بلند پایہ ذہنیت کو دنیا کے سامنے رکھتا ہے۔

اسلام سے پہلے دوسرے مذاہب نے اس جانب توجہ نہیں کی تھی ـــــ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رواداری، بے تعصبی اور نقطۂ نظر کی وسعت اس مسئلہ میں ظاہر فرمائی وہ اسلام بلکہ دنیا کی عظیم بالشان تعلیمات میں سے ہے۔

آسمانی کتابیں اگرچہ غیر محدود ہیں تاہم تخصیص کے ساتھ جن کتابوں کے نام قرآن مجید میں آئے ہیں وہ چار ہیں:

توراۃ، انجیل، زبور، قرآن ـــــ ان کے علاوہ ایک جگہ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں کا ذکر آیا ہے لیکن ان کے نام نہیں بتائے گئے۔

ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ، صحف ابراھیم وموسیٰ (الاعلیٰ ۱۹)

یہ تعلیم اگلے صحیفوں میں موجود ہے ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

اس لئے ایسی اگلی کتابوں کو جن میں آسمانی تعلیمات کی خصوصیات پائی جاتی ہوں گو ان کا ذکر قرآن میں نہ ہو جھوٹا نہ کہیں کیونکہ ان کا بھی خدا کی کتاب ہونا ممکن ہے اگرچہ قطعیت کے ساتھ ان کا فیصلہ اس لئے نہیں ہوسکتا کہ قرآن نے ان کے نام نہیں بتائے (صفحہ ۱۵)

اس موقعہ پر ایک نکتہ بیان کرنے کے قابل ہے کہ قرآن مجید نے ہمارے سامنے دو لفظ پیش کیے ہیں ـــــ دین اور شریعت ـــــ شرع کو منسک و منہاج بھی کہتے ہیں۔

دین سے مراد مذہب کے وہ بنیادی امور ہیں جن پر تمام مذاہب حقہ کا اتفاق ہے مثلاً خدا کی ہستی، اس کی توحید، اس کی صفات کاملہ، انبیاء کی بعثت، خدا

خالص عبادت، حقوق انسانی، اچھے اور برے اخلاق، اعمال کی جزا و سزا، یہ وہ اصل دین ہے جس میں تمام پیغمبروں کی تعلیمات یکساں تھیں۔

دوسری چیز یعنی شرع و منہاج اور منسک وہ جزئیات احکام ہیں جو ہر قوم و مذہب کی زمانی اور مکانی خصوصیات کے سبب سے بدلتے رہے ہیں مثلاً عبادتِ الٰہی کے طریقوں میں ہر مذہب میں تھوڑا تھوڑا اختلاف ہے، عبادت کی سمتیں الگ الگ ہیں، اعمالِ فاسد کے انسداد کی تدبیریں جدا جدا ہیں۔

دنیا میں انبیاء علیہم السلام کا وقتاً فوقتاً ظہور اسی ضرورت سے ہوتا رہا ہے کہ وہ اسی ازلی اور ابدی صداقت کو دنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں اور دین کو اصل مرکز پر قائم رکھیں اور ساتھ ہی اپنی قوم و ملک اور زمانہ کے حالات کے مطابق خاص احکام اور جزئیات جو ان کے لئے مناسب ہوں ان کو بتائیں اور سکھائیں۔ (۱۷)

آخری کتاب

مگر قرآن اس دعوے کے ساتھ اترا ہے کہ اب اس کے بعد کسی دوسری آسمانی کتاب کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ہمیشہ کے لئے تحریف و تبدیلی سے محفوظ کر دی گئی ہے اور اس کی حفاظت کا وعدہ خود خدا نے کیا ہے اور یہ وہ وعدہ ہے جو دنیا کی کسی آسمانی کتاب کے لئے خدا نے نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ دنیا کی آخری کتاب ہے اور اس کا رسول دنیا کا آخری رسول ہے، اب جو کچھ فیض دنیا کو پہنچے گا اسی کے ذریعے پہنچے گا (۱۸)

(شائع کنندہ بیگم عائشہ بانی وقف پوسٹ بکس ۱۲۷۸ کراچی)

آخر دور کے مفسر مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اس مسئلہ پر لکھا:

ان ھٰذہ امتکم امۃ واحدۃ (انبیاء ۹۲) اے انسانو! تم

حقیقت میں ایک ہی امت اور . . . . . . ایک ہی ملت تھے، دنیا میں جتنے نبی آئے وہ سب ایک ہی دین لے کر آئے تھے، اور وہ اصل دین یہ تھا کہ صرف ایک اللہ ہی انسان کا رب ہے ــــ یہ خیال کرنا کہ فلاں نبی فلاں مذہب کا بانی تھا اور فلاں نبی نے فلاں مذہب کی بنیاد ڈالی اور انسانیت میں یہ ملتوں اور مذہبوں کا تفرقہ انبیاء کا ڈالا ہوا ہے محض ایک غلط خیال ہے۔ (تلخیص تفہیم القرآن صفحہ ۵۴۴)

ان تمام اکابر اہل قلم نے اس مسئلہ پر اظہار خیال کیا لیکن مولانا آزاد کے لکھنے پر وہ قیامت ڈھائی گئی کہ بڑے بڑے لوگ اپنے حواس کھو بیٹھے اور مولانا آزاد پر برہمو سماج اور گاندھی جی کی پیروی اور نائید کی پھبتیاں کسی جانے لگیں۔

پاکستان کی تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ایک اعتدال پسند مفکر و مصلح ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مولانا آزاد اور قرآنی دعوت پر جن تاثرات کا اظہار کیا، اس پر غور کیجئے۔

ڈاکٹر صاحب نے برصغیر کی تین شخصیتوں کو دعوت قرآنی کا علم بردار قرار دیا۔ (۱) ڈاکٹر محمد اقبال (۲) مولانا حمید الدین صاحب فراہی (۳) مولانا ابوالکلام آزاد۔

مولانا کے متعلق لکھتے ہیں:

برصغیر میں قرآنی فکر کا دوسرا دھارا مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی شخصیت سے پھوٹا جس پر فکر سے زیادہ دعوت کا رنگ غالب تھا، مولانا مرحوم مفسر قرآن کی حیثیت سے تو بہت بعد میں متعارف ہوئے اس لئے کہ ترجمان القرآن کی جلد اول ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ شائع ہوئی تاہم ان کی قرآن حکیم کی ترجمانی اور قیام حکومت الٰہیہ کے لئے دعوت جہاد کا ڈنکا برصغیر کے طول و عرض میں ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۶ء الہلال اور البلاغ کے ذریعہ بج چکا تھا۔ اور اس ضمن میں

وہ حضرت شیخ الہند ایسی عظیم شخصیت تک سے خراج تحسین وصول کر چکے تھے۔
آگے لکھتے ہیں:

مزید افسوس یہ کہ گاندھی جی کی شخصیت کے زیر اثر مولانا مرحوم وحدت ادیان کے بھی پرچارک بن گئے اور اس طرح گویا برہمو سماج کی تقویت کا ذریعہ بن گئے تاہم الہلال اور البلاغ کی دعوت اتنی بودی اور بے جان نہ تھی کہ اس طرح ختم ہوجاتی چنانچہ اس کے فوراً بعد ایک دوسری فعال شخصیت کی صورت میں ظہور کر لیا (اس سے مولانا مودودی مراد ہیں جو ڈاکٹر کے نزدیک مولانا آزاد کے معنوی خلیفہ ہیں۔)

(حکمت قرآن لاہور اگست وجولائی ۱۹۸۲ء صفحہ ۳۹)

اس سے پہلے اسی پرچہ میں صفحہ ۳۳ پر یہ لکھا:

عجیب مماثلت ہے کہ جس طرح راجہ موہن رائے (وفات ۱۸۳۳ء) نے اسلام اور مسلمانوں کی مدافعت میں تحفۃ الموحدین تالیف کی، اسی طرح گاندھی جی نے مسلمانوں کی تالیف قلب کے لئے تحریک خلافت میں شمولیت اختیار کی اور وحدت ادیان کے فلسفہ کو اتنا اچھالا کہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم جیسی عظیم اور نابغۂ روزگار شخصیت بھی ان کی زلف گرہ گیر کی اسیر ہو گئی ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

ڈاکٹر صاحب کا یہ تبصرہ ۸۲ء کے بعد تازہ حکمت قرآن ۸۷ء کے اندر دوبارہ شائع ہوا ہے۔

ڈاکٹر صاحب حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کو اپنے عہد کا مجدد، مولانا آزاد کو شاہ ولی اللہ کے بعد دوسرا داعی قرآن اور مولانا حسین احمد مدنی کو صاحب اتقاء و مقبول بارگاہ قرار دیتے ہیں لیکن اس مسئلہ میں

مولانا آزاد کے وحدت دین کو وحدتِ ادیان بنا دیتے ہیں اور اس کا رشتہ برہمو سماج سے جوڑ دیتے ہیں۔

(۲) اس حقیقت کو قطعاً نظر انداز کر دیتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالقادر صاحب نے وحدتِ دین پر جو کچھ لکھا ہے مولانا آزاد کے ہاں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

برہمو سماج ہو یا اکبر کا دین الٰہی —— ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ نجات کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کسی خاص مذہب کی پیروی کی جائے، اسلام ہو یا کوئی دوسرا دین دھرم سب حق ہیں اور سب ہی نجات کی منزل کی طرف لے جاتے ہیں۔

مولانا آزاد نے دین کی وحدت پر الفاتحہ کی تفسیر میں صفحہ ۱۲۰ سے ۱۷۲ تک ۵۲ صفحات پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس بحث سے پہلے صفحہ ۱۱۹ پر صفاتِ الٰہی کی بحث کو ختم کرتے ہوئے

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ

پر ایک صفحہ میں نبوت محمدی اور عبدیت محمدی پر جو جامع و مانع کلام کیا ہے وہ ایک غیر جانب دار قاری کو مطمئن کرنے کے لئے کافی ہے کہ مولانا آزاد نجات و فلاح کے لئے توحید کے ساتھ نبوتِ محمدی پر ایمان لانے کو ... لازمی اور ضروری قرار دیتے ہیں۔

غور کیجئے:

اسلام نے اپنی تعلیم کا بنیادی کلمہ جو قرار دیا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ

اس اقرار میں جس طرح خدا کی توحید کا اعتراف کیا گیا ہے ٹھیک اسی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی اور ان کی رسالت کا بھی اعتراف ہے۔

غور کرنا چاہئے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ ___ صرف اس لئے کہ پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجۂ رسالت کا اعتقاد اسلام کی اصل و اساس بن جائے کوئی شخص حلقۂ اسلام میں داخل ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خدا کی توحید کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بندگی اور رسالت کا بھی اقرار نہ کرے۔ (صفحہ ۱۱۹)

الفاتحہ کی تفسیر کے بعد البقرہ سے سورۂ مومنون تک بیسیوں مقام ایسے آگئے ہیں جہاں موقع کی مناسبت سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ضرورت اور اہمیت پر پوری شدت اور عظمت کے ساتھ بحث کی ہے۔

ان تمام تصریحات کو نظر انداز کر کے مولانا آزاد کے تصور وحدت پر رائے زنی کرنا محتاط تبصرہ نگاری کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

البتہ مولانا آزاد کی تحریر کا ایک مزاج ہے۔ مولانا جس موضوع پر گفتگو کرتے ہیں اس موضوع کے دائرہ کی سختی سے پابندی کرتے ہیں، اگر اصول و اساس کی بحث ہے تو اس میں فروع و جزئیات کی گفتگو نہیں ہوگی۔

ڈاکٹر رضی الدین نے "نقد ابوالکلام" میں مولانا آزاد اور سرسید خاں مرحوم کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے مولانا آزاد کو انتہا پسند اور سرسید کو حقیقت پسند کہا ہے اور وحدتِ دین کے مسئلہ میں مولانا آزاد کی اسی انتہا پسندی نے غلط فہمیوں کو راہ دی ہے۔ ۵۲ صفحات کی بحث میں اصول کی وحدت پر اس قدر شدت کے ساتھ زور دیا گیا ہے کہ اگر قاری اس بحث کو پڑھ کر کتاب کو رکھدے اور ترجمان کے دوسرے مباحث اس کے ذہن میں نہ ہوں تو وہ غلط تاثر لے کر اٹھے گا ___ لیکن اہل علم کی ذمہ داری ایک عام قاری سے زیادہ ہے، اسے ترجمان کے مطالعہ کے بعد رائے قائم کرنی چاہئے۔

مولانا آزاد پر یہ الزام تھا کہ مولانا ہندوؤں کے ساتھ رواداری کے

مذہب میں (بقول ان کے) اسلام اور کفر کے درمیان وحدت کی باتیں کرتے ہیں، حالانکہ اسی جلد اول میں جس میں وحدتِ دین کی بحث ہے، مولانا رواداری اور مداہنت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رواداری یقیناً ایک خوبی کی بات ہے لیکن ساتھ ہی عقیدہ کی مضبوطی، رائے کی پختگی اور استقامت فکر کی خوبیوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

پس یہاں حد بندی کا کوئی نہ کوئی خط ضرور ہونا چاہئے جو ان تمام خوبیوں کو اپنی جگہ رکھے۔

اخلاق کے تمام احکام انھیں حد بندیوں کے خطوط سے بنتے اور ابھرتے ہیں، جوں ہی یہ ہلنے لگتے ہیں، اخلاق کی پوری دیوار بھی ہل جاتی ہے۔"

(ترجمان جلد اول ۱۶۸)

بے اعتدال اور انتہا پسند مخالفین نے اس مظلوم انسان پر کیا کیا ظلم ڈھائے اور اس نے اپنی اعلیٰ ظرفی اور سیادتِ نسبی کا کتنا شاندار مظاہرہ کیا — یہ تاریخ کا ایک عبرتناک باب ہے۔

تکمیل شریعت کا اثبات مولانا آزاد نے ترجمان القرآن میں مختلف موقعوں پر شریعت اسلامیہ کی تکمیل کا اثبات پوری شدت و عظمت کے ساتھ کیا ہے۔

ایک جگہ تقلیدِ جامد کی مذمت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حتیٰ کہ اب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ ایک طرف مسلمانوں کی معاشرتی و اجتماعی زندگی مختل ہو رہی ہے کیوں کہ اس کی

تمام ضرورتوں کے مطابق احکام فقہ نہیں ملتے اور شریعت کو فقہ کے مذاہب مدوّنہ (فقہ اربعہ) میں منحصر سمجھ لیا گیا ہے۔ دوسری طرف اسلامی حکومتوں نے قوانین شرع پر عمل درآمد ترک کر دیا ہے اور اس کی جگہ یورپ کے دیوانی اور فوجداری قوانین اختیار کرنے لگے ہیں کیونکہ انھوں نے دیکھا کہ ذخائر فقہ وقت کے انتظامی و معاشرتی مقتضیات کا ساتھ نہیں دے سکتے اور کوئی نہیں جو انھیں بتلائے کہ اللہ کی شریعت کا دامن اس نقص سے پاک ہے اور اگر وہ کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے تو انھیں اس زمانے کے لئے ویسے ہی اصلح و ادفق قوانین مل جاتے جس طرح پچھلے عہدوں کے لیے مل چکے ہیں۔"

(ترجمان دوم ص۱۲۶)

تکمیل شریعت پر اتنی جامعیت اور اہمیت کے ساتھ روشنی ڈالنے والا کیا دوسرے مذاہب اور اسلام کو ایک سطح پر رکھ سکتا ہے۔؟